بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

علماءِ کرام سے خطاب ——— (۲)

اس وقت مسلمانوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ صحیح اسلامی تربیت دماغی ہے۔ دماغی تربیت سے مُراد اُن کو علوم وفنون سے آشنا کرنا اور فلسفہ ومنطق کے مسائل سے اُن کو واقف بنانا نہیں، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ عام اور خاص، جاہل اور عالم، امیر اور غریب سب کی ذہنیتوں کو بیدار کرکے اُن میں ایک صالح جماعتی احساس، اور جذبۂ قومیت پیدا کردیا جائے جس طرح اسلام کے عہد عروج وترقی میں ایک ایک مسلمان اپنے تئیں ایک مخصوص نظامِ جماعت کا پابند اور ایک مخصوص اطوار معیشت ومعاشرت رکھنے والی جماعت کا فرد سمجھتا تھا۔ اسی طرح آج مسلمانانِ ہند کو پھر اُسی رشتۂ اخوت ونظامِ اجتماعی میں منسلک کردینا ہے۔ اس احساس کے پیدا کردینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملّی نظام کے ماتحت جتنے شعبے قائم ہونگے وہ باہم ایک دوسرے پر اعتماد کرنا سیکھینگے، اور آپس میں رشک ورقابت رکھنے کی آگ جو اُن کو جلاکر خاک سیاہ کیے دے رہی ہے، وہ سرد ہوکر رہ جائیگی۔ اُن کی مثال ایک مشین کے کل پرزوں کی ہوگی جو سب مل کر اپنا اپنا کام کرتے ہیں، اور اُن میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے مانع نہیں ہوتا۔ ان پرزوں کے اس اتفاق عمل کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ مشین چلتی ہے اور اپنا کام کرتی ہے۔ ان میں سے اگر کسی ایک پرزہ میں فتور آجائیگا تو ظاہر ہے مشین رُک جائیگی، اور وہ اپنا کام جاری نہیں

رکھ سکیگی۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں آج جتنے امراض نظر آرہے ہیں وہ سب اسی دماغی تربیت کے فقدان سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک طرف اُن کی تمدنی اور معاشرتی حالت اس قدر تباہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی زندگی کو دیکھ کر اسلامی تہذیب و کلچر کا خاکہ تیار کرنا چاہے تو وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جن خاندانوں میں انگریزی تعلیم کا چرچا ہے، اُن کی معاشرت از فرق تا بقدم انگریزی تہذیب کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ یہ سیلاب تفرنج اب اسلامی حرم کی دیواروں تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ اندرونِ خانہ گھس کر اُس نے خواتین اسلام کی معاشرت اور اُن کے اطوار بود وباش پر بھی بہت بڑا اثر کیا ہے۔ بڑے بڑے شہروں کے ممتاز اسلامی خاندانوں کو دیکھیے تو پردہ رخصت ہوچکا ہے، اور جتنا کچھ رہ گیا ہے، زمانہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ وہ بھی چند دنوں کا مہمان ہے۔ اُس کے بعد جب دیدارِ عام کا دورِ نامبارک آئیگا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے تقویٰ وطہارت کو کن جاں گسل حوادث سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ سینما اور تھیٹر جن میں عموماً مخرب اخلاق تصویریں دکھائی جاتی ہیں اور دل و دماغ کو پراگندہ کردینے والے ڈرامے ایکٹ کیے جاتے ہیں، اب ہماری معاشرت میں ایک ایسی روزمرہ کی چیز ہوگئی ہے کہ گویا اس میں کوئی خرابی ہی نہیں ہے۔

بڑے بڑے شرفا اپنی بیویوں، نا کتخدا لڑکیوں، بہنوں، بھائیوں کے ساتھ روزانہ سینما دیکھتے ہیں، اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہیں ہوتا بلکہ اپنے گھر آکر خاندان کے مرد اور عورت رات کے کھانے پر یکجا ہوکر دیکھی ہوئی فلم کے متعلق تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ بیگم کہہ رہی ہیں "غوری" خوب ایکٹ کرتا ہے۔ اُس نے فلاں پارٹ کس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے، اور میاں فرماتے ہیں "مگر صاحب مس کجن نے تو کمال ہی کردیا، آپ نے دیکھا نہیں پنہاری کا کام اُس نے کس نیچرل طریقہ

اقتصادی حالت سے متعلق ہے پس اب آپ خود قیاس کر لیجیے کہ جب پنجاب کے مسلمان اقتصادی اعتبار سے اتنے تباہ حال ہیں تو دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جن کی حالت پنجابی مسلمانوں سے بھی زیادہ ابتر ہے۔

ایک مرتبہ اخبار "وکیل" نے امرتسر کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا دردناک نقشہ ان الم انگیز الفاظ میں کھینچا تھا۔

علی الصباح جب دنیا کی قومیں اپنا کاروبار انجام دینے کے لیے بیدار ہوتی ہیں تو کانوں میں "اللہ اکبر" کی جرنیلی صداؤں کے ساتھ گداگروں کی اداسی پیدا کرنے والی دردانگیز آوازیں بھی آتی ہیں جو حساس دلوں کو بے چین کیے بغیر نہیں رہتیں۔ یہ گداگر کون لوگ ہیں؟ ذرا تحقیق کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ننانوے فیصدی مسلمان ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں، مرد بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں۔ یہ نظارہ سارا دن اور بہت رات گئے آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ (منقول از لکچر مولانا سید طفیل احمد صاحب)

مسلمانوں کے اس افلاس، بے مائگی اور بے سروسامانی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ غیر مسلم قوموں کی نظر میں ذلیل ہو گئے ہیں۔ اُن کی ہمسایہ قوم دولت کے نشہ میں مست ہے، وہ سمجھتی ہے کہ جب چاہینگے مسلمانوں کو دبا لینگے۔ پنجاب کا ایک ہندو اخبار کس جرأت اور بے باکی سے لکھتا ہے۔

ہندوؤں کے پاس ایک طاقت ہے اور وہ طاقت روپیہ کی ہے جس سے وہ فوائد عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔ انفرادی اور مجموعی حیثیت سے ہندو مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ دولتمند ہیں۔ پنجاب کے تقریباً ہر ایک قصبہ میں اگر ایک مسلمان ایسا ہے جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے تو اُس کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپے رکھنے والے بیس ہندو ہیں۔"

مولانا سید طفیل احمد صاحب نے مسلمانان پنجاب کی اقتصادی حالت پر انجمن حمایت اسلام لاہور

کے جلسہ میں جو لکچر پڑھا تھا اُس میں وہ ہندو اخبار کے اس گھمنڈ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت اور اُن کے ظاہری ٹھاٹھ سے لالہ صاحب کو یہ حسنِ ظن پیدا ہوگیا ہے کہ قصبات میں بعض مسلمانوں کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ شہروں میں بھی بہت کم ایسے مسلمان نکلینگے کہ جن کے پاس نقد ایک لاکھ روپیہ ہو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک "کاد الفقر ان یکون کفرا" (قریب ہے کہ تنگدستی کفر کا سبب بنجائے) اگر درست ہے تو پھر آپ کو تعجب نہ ہونا چاہیے اگر اس عام افلاس و خستہ حالی کے باعث مسلمانوں میں اخلاقی جرائم کی کثرت پائی جاتی ہے۔ اُن کے حوصلے پست اور ہمتیں قاصر ہوگئی ہیں۔ اور دوسری قومیں اس سے فائدہ اُٹھاکر اُن پر طرح طرح کے مکر و فریب کے دام پھینک رہی ہیں اور فقر و فاقہ سے تنگ آتے ہوئے مسلمان اُس میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ ہندو سرمایہ داری جونک کی طرح مسلمان مزدوروں اور کاریگروں کے خون کو چوس رہی ہے اور وہ روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اب تعلیمی حالت پر ایک نظر ڈالیے تو یہاں بھی آپ کو وہی دہشت انگیز منظر اور دریائے حیرت و تاسف میں غرق کر دینے والا سماں نظر آئیگا، اوّل تو مسلمانوں میں تعلیم یافتہ ہی کتنے ہیں، اور پھر جو ہیں بھی تو آپ غور کیجیے کیا اُن کی عملی زندگی دراصل اُن کی تعلیم یافتگی کی آئینہ دار ہے؟ تعلیم کا مقصد طوطے کی طرح صرف چند باتوں کو رٹ لینا نہیں ہے، اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر قوم کی زبان کو سیکھ کر اُس میں بات چیت کرنے لگے۔ اُس زبان کے اخبارات، ناولوں اور افسانوں کا مطالعہ کرنے کے لائق ہو جائے۔ بلکہ تعلیم کا اصل منشا رہے ذہن و دماغ کی صحیح تربیت، استوار ذہنیت کا پیدا کرنا

کیرکٹر بنانا، قوتِ فکر کا روشن ہونا، دنیا کے حوادث و واقعات پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر اُن سے اپنی زندگی کے لیے کوئی سبق حاصل کرنا۔ اگر کسی تعلیم کے یہ فوائد مرتب ہوتے ہیں تو وہ دراصل صحیح تعلیم ہے۔ ورنہ اگر اس سے روایاتِ قومی کی تحقیر، اجنبی اقوام کے تمدن و تہذیب کی اندھی تقلید اور غیر مآل اندیشی و بے راہروی کا، اسراف و تبذیر کا، نمود و نمائش کا، اور عیش پرستی و عشرت کوشی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ تعلیم تعلیم نہیں، بلکہ سراسر جہل اور ضلالت و گمراہی ہے جس کا جلد سے جلد استیصال ہو جانا چاہیے۔ اسی بناء پر صادق مصدوق نبی اُمّی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللھم انی اعوذ بك من علم لا ینفع" اے اللہ میں ایسی علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نافع نہ ہو۔ اور دوسرے موقع پر ارشاد ہوا:-

العلم بلا عملٍ وبالٌ والعمل بلا علمٍ ضلالٌ　　علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اب بتائیے کہ یہ جو ہر سال آپ کی یونیورسٹیوں، اسکولوں اور کالجوں سے بی۔ اے ایم اے اور مدرسوں سے مولوی فاضل و منشی فاضل ہزاروں کی تعداد میں حشرات الارض کی طرح پیدا ہو رہے ہیں کیا اسلامی نقطۂ نگاہ سے واقعی تعلیم یافتہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیا ان کے افکار روشن اور قوتِ عمل بیدار ہے، کیا اُن کی ذہنیتیں استوار، اور اُن کے دماغ درست نشو و نما یافتہ ہیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا ہم ان تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد میں سال بسال اضافہ ہونے پر نوحہ و ماتم نہ کریں۔ کیا ہم اپنے نونہالوں کی اس دماغی ویرانی و تباہ حالی پر رنج و افسوس کا اظہار نہ کریں۔

یہ ہیں اجمالی طور پر جسم مسلم کے وہ زخمہائے کہنہ جن میں سے اب ہر ایک عرصۂ دراز تک رستے رہنے کی وجہ سے ناسور بن گیا ہے اور جنھوں نے تمام جسم کو گلا سڑا کر متعفن کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ قوم مسلم کی زبوں حالیاں علماءِ کرام کی توجہ و التفات کی مستحق نہیں ہیں اور کیا ان میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے "سیاسی تنظیم" کی ہنگامہ آرائیوں سے الگ ہو کر وہ ان حقائق پر غور کریں۔ اس سلسلہ میں علماءِ کرام کیا کر سکتے ہیں۔ اس کے

فہمِ قرآن

سلسلہ کے لیے دیکھیے برہان فروری ۱۹۳۹ء

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں متعدد مقام پر ذکر سے مُراد کوئی خاص عبادت نہیں بلکہ صرف یاد کرنا ہی ہے، جیسے آیات ذیل میں۔

(۱) واذکروا اللّٰہ کثیراً لعلکم تفلحون ۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(۲) واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا ۔ تم اللہ کو یاد کرو اور اُس کی طرف یکسو ہوجاؤ۔

(۳) رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ ۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اُن کو اللہ کی یاد سے نہ تو تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید فروخت۔

لیکن قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ذکر آیا ہے اُن سب مقامات کو پیش نظر رکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر ذکر مطلق نہیں۔ بلکہ کسی خاص زمانہ یا مکان کی قید کے ساتھ آیا ہے، وہاں مطلقاً یاد کرنا نہیں بلکہ کوئی خاص طریقہ عبادت مُراد ہوتا ہے۔ پھر وہ طریقہ عبادت کیا ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل وتبیین یا تو خود قرآن مجید کر دیتا ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول یا عمل سے اُس کا بیان کر دیتے ہیں۔ صورت ثانی میں یہ ماننا لازمی ہوگا کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی مُراد متعین کر دی ہے جس سے انحراف کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوگا۔ اور اُس فعل نبوی کو عمل میں لائے بغیر اگر قرآن مجید کے لفظوں کو لغوی معانی کے اعتبار

سے کوئی عملی شکل دی گئی تو وہ یقیناً نامعتبر ہوگی۔

اس تقریر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آیت زیر بحث یعنی واذکروا اللہ فی ایامٍ معدودات میں ذکر کو چونکہ "ایامِ معدوداتٍ" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اس لیے یہاں ذکر سے مراد صرف زبان وقلب سے یاد کرلینا نہیں، بلکہ کوئی مخصوص طریق عبادت ہے، وہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو اپنے اقوال مبارکہ اور عملی تقدس سے واضح کردیا ہے کہ وہ رمی جمار ہے

اب رہی "ایام معدودات" کی بحث، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ اگرچہ نکرہ ہیں لیکن آیت کا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ ان سے مُراد چند خاص دن ہیں، وہ دن کونسے ہیں؟ ان کا بیان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کردیا ہے۔ اس بنا پر اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "تم ایام تشریق میں رمی جمار کرو" پس وہ شخص جو اس آیت کو اُس کے ظاہری معنی پر محمول کرکے یہ سمجھتا ہے کہ خدا کو کسی طرح بھی چند دنوں میں یاد کرلینا اس آیت کے حکم کو پورا کردیتا ہے اور اُس کے لیے رمی جمار و ایام تشریق کی کوئی قید نہیں، وہ یقیناً فہم قرآن سے بہت بعید ہے اور راہِ حق سے بے شبہ منحرف ہے۔

پھر جس طرح قرآن مجید کے مفرد الفاظ کے معنی کی تعیین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لفظ قرآن میں جہاں جہاں آیا ہے اُن سب مواقع کو پیش نظر رکھا جائے۔ اسی طرح کسی آیت سے کوئی حکم استنباط کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حکم قرآن مجید میں جتنے مواقع پر بیان کیا گیا ہے۔ اُن سب کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایک موقع کے سباق وسباق پر مبصرانہ نگاہ ڈال کر اُس حکم کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ قرآن مجید کی مثال جدید زمانہ کی کسی مرتب مہذب قانونی کتاب کی نہیں ہے جس میں تمام احکام مختلف ابواب اور پھر ہر باب کے ذیل میں